سائنسی فکشن مائکروفکشن کے خصوصی حوالے سے

غلام مصطفٰے
ریسرچ اسکالر جے این یو، نئی دہلی

انسان کرہِ ارضی پر اپنی ارتقائی کوششوں کے ہمراہ دیگر ضروریاتِ زندگی کو پورا کرتے ہوئے زمانے کی چالبازی سمجھتا اور سمجھاتا آج اکیسویں صدی کے ایسے مشکل ترین حالات میں کھڑا ہے جہاں اس کے ذریعے اٹھایا جانے والا کوئی ایک غلط قدم بھی کل جاندار زندگیوں کے نیست و نابود ہوجانے کا سبب ہوسکتا ہے۔ترقی انسان کا وطیرہ ہے بلکہ اس مخلوق کی سرشت میں شامل ایک فطری عمل ہے۔لیکن ترقی جب دوڑ بن جائے اور ہار جیت کی بولیاں لگ جائیں تب اسی ترقی کے دامن میں چھپا ہوا وحشت ناک اور تباہ کن نتیجہ موجود رہتا ہے۔

یہ عام سا جملہ تو شائد ہم سبھی نے سن رکھا ہوگا کہ ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ہمارے عہد کی بے شمار مصروفیات ہم سے مختصر سے مختصر وقت میں زیادہ سے زیادہ کام انجام دے لینے کا تقاضہ کرتی ہیں۔لہذا اس ضرورت کے تحت دنیا کی تمام تر ایجادات مائکرو ہوتی جارہی ہیں۔ایک یو۔ایس۔بی میں لاکھوں الفاظ محفوظ کیے جاسکتے ہیں۔آج کے عہد میں ایک ای بک کتابوں کا پورا شیلف سمیٹ لیتی ہے۔ایک چپ میں فون کے سینکڑوں نمبرات محفوظ ہوجاتے ہیں۔لہذا کہانیوں کا بھی وقت کے تقاضے کی سبب مائکرو ہونا فطری ہے۔اب افسانے سے مختصر افسانہ اور پھر مختصر ترین افسانہ لوگوں کو متوجہ کررہا ہے۔سوال یہ ہے کہ اس کا نام اردو میں لکھا جائے تو مختصر ترین میں کوئی مضائقہ نہیں۔لیکن مائکروفکشن کو آخر ترجمہ ہی کیوں کیا جائے؟۔مائکرو کو اگر مختصر ترین کہیں گے تو یہ پانچ کے بجائے مختصر ترین کے نو حروف اس صنف کے نام ہی کو اتنا طویل کردیں گے کہ ہماری ادب میں طویل ترین اصناف کا ناموں سے اس کا سٹرکچر بڑا دکھائی دے گا اور پھر یہاں

تو بے شمار انگریزی الفاظ واصطلاحات اردو میں شامل ہوکر اس خاندان کا حصہ بن چکی ہیں۔

مائکروفکشن لکھنے کے شرائط سخت ہیں۔مثلاً اس سے اس طرح سمجھا جائے تو بہتر ہوگا کہ تین سوالفاظ کے افسانے میں گنے چنے اور منتخب الفاظ ہوں جو معنی کی تمام تر تہہ داری کو سمیٹ لیں اوران میں ایک مکمل افسانوی پن اپنے تمام تر محاسن کے ساتھ موجود ہو۔ بلکہ یہاں یہ کہنا ضروری ہے کہ مختصر ترین افسانہ یا مائکروفکشن اپنی بُنت میں افسانے سے زیادہ مشکل ہے۔اب ایک پریشانی یہ بھی ہے کہ افسانے کی دنیا کو اگر پوری طرح سمجھا نہ گیا اور لکھنے والوں کی تعداد محض ایک لاشعوری کاوش کے تحت بڑھتی گئی تو عین ممکن ہے کہ مائکروفکشن کا زوال بھی نثری نظم کی طرح ہی ہوجائے۔Antony Nelson ایک معروف مائکروفکشن رائٹر ہیں۔انہوں نے ایک ورکشاپ کے دوران اپنے پہلے ڈرافٹ میں غیر ضروری الفاظ کو خارج کر کے سمجھایا تھا کہ مائکروفکشن میں الفاظ کا استعمال کس قدر محتاط صورتوں میں ہونا چاہیے۔مائکروفکشن پر کام کرنے والے،اس میدان میں طبع آزما ہونے والے کہانی کاروں کو چند اہم مصنفین کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ جن میں سے چند مشہور نام یہ ہیں۔ Adgar Allen Poe, Antonya Nelson, Anna D Smith,Dawn,Mark leyner. وغیرہ وغیرہ۔

مائیکروفکشن کئی موضوعات کے تحت لکھا جا سکتا ہے،اس میں فلیش مائکروفکشن،سسپنس اسٹوریزی، سائنسی مائکروف، تھرلرز ،علامتی مائیکروف وغیرہ اہم ہیں ۔ان میں سے سائنسی مائکروف اور فلیش فکشن کے ساتھ ساتھ مختصر ترین علامتی کہانیاں بھی انہاک انٹرنیشنل فورم پر پیش کی جا چکی ہیں۔ مائکروفکشن ،لپ گوافسانہ،سمارٹ اسٹوری، منی اسٹوری،افسانچہ یا مختصر ترین کہانیوں میں سے ایک اہم نام ہے جس سے ہم زیادہ موزوں سمجھتے ہیں وہ مائکروفکشن ہی ہے، کیونکہ افسانچہ اور دوسرے سبھی ناموں میں ایک بنیادی فرق ہے۔ مختصر ترین کہانی یا مائکروفکشن افسانچے سے مختلف ہے، کیونکہ افسانچے کا خمیر افسانے کے بطن سے تیار ہوا ہے اور افسانے کی واحد بڑی ضرورت کہانی پن افسانچے کی بھی ضرورت ہے ورنہ یہ صنف اپنی روایتوں سے کٹ کر کوئی دوسرا اسٹرکچر پیش کرتی دکھائی نہیں دیتی ۔لیکن مائکروفکشن لفظوں کے انتخاب میں بھی سختی کا قائل ہے اور موضوع کی باریکیوں سے بحث کرتا ہے یہاں کسی واقع یا افسانے سے زیادہ موضوع اور اس کے متعلقات سے

سروکار رہتا ہے۔ پھر بھی تا حال اس صنف پر اہل فکر و نظر کی محنت درکار ہے۔اس سے ابھی تعریف ہونا ہے بلکہ میں تو یہ کہوں کہ یہ اپنے آپ میں وجود اور تعریف سے عاری ہوتے ہوئے بھی وقت کی ضرورت بن چکا ہے۔ کسی بھی قصہ گوئی میں قصے کو کتنے الفاظ میں بیان کرنا ہے یہ تو اس کہانی کے عناصر پر منحصر ہوتا ہے،اور پھر مائکروفکشن تو چونکہ نام سے ہی ظاہر ہے کہانی کی مختصر ترین شکل ہے اس لیے یہاں الفاظ کا انتخاب اور زبان پر دسترس اس کی بنیادی ضرورتوں میں سے ہے۔

سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ سائنسی فکشن آخر ہے کیا؟۔تو پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ کیا سائنسی فکشن میں سارے سائنسی لوزمات ہونے ضروری ہیں۔میرے خیال میں تو اگر کسی ممکنہ ایجاد کو اس کے طریقۂ کار سمجھاتے ہوئے فکشن میں ممکن کر دیا جائے اور پھر کسی معاشرے پر اس کے اثرات بھی بتائے جائیں تو یہ ایک مکمل سائنسی فکشن ہوسکتا ہے۔اس ضمن میں خود سائنس کا مطالعہ ضروری ہے لیکن سائنس کے مطالعہ فرمانے والے اہلِ دانش سمجھتے ہیں بلکہ خوب جانتے ہیں کہ خود سائنس بسا اوقات صرف لفظوں کے سہارے اپنے معنی ظاہر کرنے سے قاصر ہے۔نیٹون کا تیسرا لا "Every action there is an equal and opposite reaction " کیا اپنے متن کے ہر لفظ پر کھرا اترتا ہے؟۔سائنس کا کوئی معمولی جانکار بھی جب اس جملے کو رٹا رٹایا پیش کرتا ہے اور سامنے والا اس سے اگر یہ سوال پیش کرے کہ جس گیند کو دیوار پر پھینکے جانے پر پھینکی گئی رفتار کے برابر واپس آتا دیکھا گیا تھا کیا اسی رفتار سے وہ ریت کیچڑ یا پانی میں پھینکی جائے تو برابر رسپانس مل پائے گا؟ اور نہیں جو کہ ظاہر ہیکہ نہیں ہوتا تو کیوں نہیں ہو پاتا۔لیکن اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ فزکس کا طالبِ علم نیوٹن کے اس لا کی سچائی پیش نہیں کرسکتا۔سائنس کا مطالعہ بھی صرف متن کی ظاہری صورت میں نہیں کیا جاسکتا ورنہ نیوٹن جیسا سائنسدان بھی اپنے متن کے ان الفاظ میں اس لا کی باقی تمام سائنسی جانکاری سے نابلد آدمی کے لیے اپنی اصل میں جاہل ثابت ہوسکتا ہے۔کیونکہ ایک عام قاری تو اس کے اس متن میں Every action پر ہی بات کرے گا۔انگریزی فکشن کے ذخیرے میں سائنسی فکشن بہت پہلے سے موجود ہے۔ہمارے اردو ادب میں بھی سائنسی اصطلاحات موجود ہیں۔لیکن سائنس فکشن کی طرف ہماری شعوری کاوشیں بہت کم رہی ہیں،سوائے چند گنے چنے ناول نگاروں کے ہم نے اپنے اردو ادب میں کوئی بڑا ذخیرہ نہیں رکھا

ہے۔لیکن میرا یہ بھی ماننا ہے کہ زبان بذاتِ خود ایک سائنسی عمل ہے،لسانیاتی علوم سے واقفیت رکھنے والے ہر اہلِ زبان کو یہ معلوم ہے کہ کسی بھی لفظ میں موجود جہاں ایک سماجی استعارہ ہے وہیں اس لفظ کی بناوٹ اور اسی کے پسِ پردہ ایک سائنٹفک سوچ اور بحث موجود ہے۔مثلاً راجہ گدھ کے قاری نے شائد غور نا کیا ہو کہ راجہ اور گدھ کا آپسی تعلق کیا ہے۔کیا گدھ بطور ایک جاندار سائنسی علوم سے دور کوئی مافوق الفطری شے ہے؟ جیسے گدھ ایک سائنٹفک سٹڈی رکھتا ہے اس کی الگ ایک پہچان ہے اس بات سے کبھی بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ گدھ کو سائنس اس کے اوصافِ کل کے ساتھ جانتی ہے۔اس کی عادتیں خصلتیں پہچانتی ہے لیکن مذکورہ ناول میں راجہ گدھ کی قرأت کے دوران اس لفظ کا استعمال کسی بھی قاری کو کوئی سائنٹفک نظریکیوں مہیا نہیں کرتا اور نا ہی ہم میں سے کوئی ان خوبیوں خامیوں پر کبھی بحث کرتا ہے، یونہی منٹو کا افسانہ ٹوبہ ٹیک سنگھ، حالانکہ اپنے نام میں افسانوی کردار ہے لیکن کردار کی ذہنی حالت و کیفیت سائنٹفک معلومات فراہم کرتی ہے۔سائنس اب تک اپنے بڑے اور اہم موضوعات میں کائنات کے علوم اور سیاروں کی کھوج کے ساتھ ساتھ ایٹمی ہتھیاروں کے ہمراہ ادویات و ضروریاتِ زندگی اور انسانی نفسیات اور امراض کی تشخیص میں منہمک ہے۔ہمارا ادب ان موضوعات کو فکشن کے ذریعے پیش کرتا چلا آ رہا ہے بلکہ اردو ناولوں اور افسانوں میں اگر لفظوں کی سانس اور ان سانسوں میں موجود تحقیقی سائنس کا عمل بغور دیکھا جائے تو بجا طور پر تسلیم کرنا پڑے گا کہ سائنس یہاں جس رفتار سے لیبارٹریز میں برتی جا رہی ہے اور جہاں تک ہم نے دنیا کو سائنسی معلومات عطا کی ہیں ظاہر سی بات ہے ادب بھی اسی رفتار سے اس موضوع کو پیش کرتا چلا آ رہا ہے۔رہی بات عالمی برادری میں سائنسی معلومات و مشاہدات کی تو محض اردو ادب ہی اس کے لیے موردالزام نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ یہاں کسی دوسری زبان کا ادب بھی اس موضوع میں وکلان ہے بالکل معذور ہے۔ ہمارے اردو تخلیق کار عام طور پر تین طرح کے ہی ہیں ایک وہ جنہیں شہرت کی ہوس ہے دوسرے جنہیں یہ زبان علمی اظہار کا وسیلہ معلوم ہوتی ہے اور تیسرے کسمپرسی کا شکار لاچار و بیکار ہر جگہ سے ٹھکرائے ہوئے، بلکہ یہاں موجود کسی طبقے کا نام رہ گیا ہے تو وہ اپنے طور پر تعین کر سکتے ہیں۔لیکن یہ دوسرا طبقہ اس سائنسی میدان کی طرف قدم بڑھا سکتا تھا بحر حال مصیبت یہ ہے کہ اس طبقے کی نظریں بھی نسبتاً علمِ فلسفہ پر زیادہ رہیں ہیں اور مشاہداتی

علوم یا تو اس طبقے کی سمجھ سے وراء رہے یا پھر شعوری طور پر نگین نثر کے عادی سائنسی علوم میں کھری اور سیدھی زبان قبول نہیں کرنا چاہتے۔ خیر ہماری بحث ان عوامل پر نہیں ہے جو اردو ادب میں سائنسی علوم کے پچھڑنے کی بِنا ہیں۔ بلکہ اردو ادب میں سائنسی فکشن کے مستقبل کو مائکرو فکشن کی نظر سے دیکھنے پر ہے۔ یہاں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ رابرٹ بریفلٹ کے مطابق ''سائنس سے مراد تحقیق کی نئی روح، تفتیش کے نئے طریقے اور مشاہدے کے نئے اسلوب ہیں جن سے لوگ بے خبر ہیں''۔

سائنسی علوم میں کوئی ایک مفروضہ قائم کرلیا جاتا ہے اور پھر اسی ہائپوتھیسس کو سچ ثابت کرنے کے لیے یا اس کی جانچ تجربات در تجربات Experiment کے لیے منظّم راستہ تلاش کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد ایک نظریہ یعنی Theory کے ذریعے Pridiction کے مراحل طے کرنے پڑتے ہیں۔ اگر یہ پیشن گوئی منفی نتائج کی صورت میں سامنے آئے تو صداقت کی مشکوک ہونے کی صورت میں جبکہ پیشن گوئی منفی نتائج کی حالت میں سامنے آئے تو یہی پیشن گوئی Law یعنی قانون کا درجہ حاصل کرلیتی ہے۔

سائنس کا بنیادی مقصد کائنات کو طبعیات کی روشنی میں دیکھنا اور طبعی و معاشرتی سائنسوں کے باہم اشتراک سے انسانی مسائل، ان کا حل اور زندگی میں در آنے والے واقعات و حالات کا سائنسی طرزِ فکر کی روشنی میں درست اندازلگانا ہوتا ہے۔ اسی طرح کائنات اور فکر کی تسخیر کا نام ادب ہے گویا ادب فکری جمود کو موضوعاتی صورت میں پھیلا کر ایک ایسے منظّم طریقے سے پیش کرتا ہے جس کے وسیلے سے انسانی ذہن علم وادراک کی وسعتوں کو کسی ایک دائرے تک محدود نہیں کر پاتا۔ بلکہ یہ پوری کائنات کو موضوع بنا کر مرکزی نقطۂ فکر کے شعوری حوالوں کو پیش کرتا ہے۔ ادب کی تعریف کرتے ہوئے ڈاکٹر فرمان فتحپوری نے لکھا ہے کہ ''ادب کو تخلیق کا ماحصل مان کر اتنا تو بحر حال ماننا پڑے گا کہ ادب اپنی کلیت و ماہیت میں علم و فکر یا فلسفہ و منطق کا اسیر و خلیف نہیں بلکہ ایک حد تک ان کا نقیض و حریف ہے۔ علم کی صورت یہ ہے کہ وہ فرد کے ذاتی میلانات و جذبات کو مس کرتے ہوئے گذرے تو نا معتبر ٹھہرے گا، اس لیے محض علم کی بنیاد پر ادب کے بارے میں کوئی حکم لگانا نامناسب نہ ہوگا''۔ اب اگر یہ کہا جائے تو مناسب ہوگا کہ ادب تاریخی شعور اور سائنسی طرزِ فکر کے دباؤ سے آزاد ہو کر تخلیقی عمل کو بیان کرنے کا نام ہے۔

ادبی نظریات عام طور پر تین ہو سکتے ہیں ۔ رومانی، علمی، اور فکری۔ یہ تینوں نظریات بیک وقت یکجا ہو کر کسی بھی ادیب کے لیے فکری راہوں کا تعین کرتے ہیں۔ اسی طرح ادب تمثال کی دنیا سے اپنا خمیر تیار کرتا ہے لیکن ایسا تو ہرگز نہیں ہے کہ خیالات وتصورات اتنے جامد پن کا شکار ہوں کہ شعور کی دنیا میں یکا یک وارد ہو جائیں اور اپنا عکس چھوڑ کر پھر کہیں لاشعور میں گم ہو جائیں۔ بلکہ یہ خیالات وتصورات تو حالات وواقعات کا ایسا سنگم ہوتے ہیں جو خیالات کو خارج سے منطبق کرتے ہوئے ذہنی وفکری تمثال اور امیجری کے ساتھ مربوط کرنے کا پورا عمل انجام دیتے ہیں۔ اب سائنس کے اس حصے کا مطالعہ کیا جائے جہاں سائنس اپنے ضابطۂ عقائد میں اشیاء کے عدم کی صورت میں ہائپوتھیسس کے ذریعے عالمِ تصورات کے بطن سے ایک نئے عقیدے، صورت، وجود یا نئی کھوج کو مشاہدے کی شکل میں ڈھلتی ہے۔ وہاں یعنی اس ہائپوتھیسس کی بنیادوں میں شامل ایک تمثال یا امیج جو ظاہر ہے کہ تصوراتی ہے کو فکشن میں شامل کرنے کی ضرورت ہے اور یہاں تک پہنچنے کے لیے کسی فکشن نگار بالخصوص مائکروف رائٹر یا سائنسی مائکروفکشن نگار کو لفظوں کے انتخاب، موضوع میں سائنسی تصور اور اس تصور سے پیدا ہونے والی مشاہداتی فکر کے لیے جس محنت ولگن کی ضرورت ہے ہمارے یہاں اردو مصنفین اس دنیا میں پہنچنا تو کجا اس کا علم بھی نہیں رکھتے ہیں۔ ایسے حالات میں انہماک انٹرنیشنل فورم نے ایک ایونٹ ضرور پیش کیا تھا لیکن وہاں بھی سائنسی مائکروفکشن کے بجائے فکشن تھرلرز یا فکشن سسپنس زیادہ نظر آئے۔ اردو علامتیں اور ہمارا لسانیاتی ڈھانچہ اتنا مفلوک الحال نہیں ہے کہ یہاں سائنسی فکشن پیش نا کیا جا سکے۔ ہمیں ضرور اس میدان میں شعوری کوشش کرنی چاہیے۔

بالکل آخیر میں ایک بات صاف کرتے ہوئے اس موضوع کو یہیں سمیٹنا مناسب سمجھوں کہ میں نے اس مقالے میں مائکروفکشن کو ہی سائنسی فکشن کے لیے کوئی منتخب کیا تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ کسی بھی مضمون کی خوبی یہ ہونی چاہیے کہ وہ وقت وحالات کے عین موافق ہو، قاری پر بوجھل نہ ہو اور کسی بڑے موضوع کو نامکمل پیش کرنے سے بہتر ہے کہ کسی ایک چھوٹے حصے کو سرمایہ بنایا جائے۔ ہم اگر اردو ادب کو ایجادات کی دنیا سے مانوس کرنا چاہتے ہیں اور مشاہدات کا حصہ بننا چاہتے ہیں تو بڑی بڑی مشینیں تیار کرنے کے نامعلوم دنیا کے غیر تعبیر شدہ آسمانی خواب دیکھنے کے بجائے مشینوں

میں استعمال ہونے والے معمولی پرزوں پر غور خوض کر کے زمین کی حقیقت سے جڑنا ہوگا۔اور ان معمولی پرزوں کو جو ایک ادبی صنف آسانی سے آج کی قاری کی مصروفیات کو مدِنظر رکھتے ہوئے پیش کر سکتی ہے میرے خیال میں سائنسی مائکروفکشن سے بہتر کوئی دوسری صنف سخن نہیں ہو سکتی۔

☆☆☆